R. No. 2100/57 | Regd. No. [illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

[illegible]

جلد ۲۳ - شمارہ ۱۸	اڈیٹر - آل احمد سرور	۸ مئی سنہ ۱۹۶۴ء

اداریہ

انگریزی - ہندی - اردو

ہم نے اکثر غور کیا ہے کہ سترہ برس کے بعد بھی عام طور پر ہندوستانیوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ عالمی معیاروں تک اپنے راستے سے پہنچنا اور بات ہے اور عالمی معیاروں کی اندھی تقلید دوسری بات۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس بنیادی غلطی کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ان کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

فرض کیجیے کہ سوال گاندھی جی کی پیروی کا ہے۔ کیا ان کی پیروی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم صرف لنگوٹی پہنے رہیں، بکری کا دودھ پئیں، ایک عمر کے بعد بیوی سے تعلقات کی نوعیت بدل دیں۔ یا ان کی پیروی کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی طرح عوام کی خدمت کریں، صداقت کا راستہ اختیار کریں، عدم تشدد کو اپنائیں، اخلاقی اصولوں کو رہنما بنائیں۔

یا یورپ کے نقش قدم پر چلنے کے کیا معنی ہیں؟ بقول اقبال علم و فن یا لادینی و خط لاطینی۔ سائنس اور صنعت و حرفت منظور لیکن کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم صرف کاروباری ذہنیت اختیار کریں یا میکانیکیت کے فلسفے پر عمل کرنے لگیں۔

پھر اپنے راستے کے کیا معنی ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہندوستانی راستے کے معنی صرف قدیم ہندوستانی راستے کے نہیں، بلکہ اس کی پوری تاریخ کے راستے کے ہیں جو جذب و انجذاب کا راستہ ہے۔ جو لوگ ہندوستانی راستے سے صرف درمیانی تاریخ کا راستہ مراد لیتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو پراچین تہذیب کی مالا جپتے ہیں وہ بھی۔ ہمیں پورے ہندوستان اور اس کی ساری تاریخ کو ذہن میں رکھنا ہے۔ اس طرح ہم اپنے راستے کا ایک واضح تصور کر سکتے ہیں۔

اس واضح مفہوم کے لیے جدید ہندوستانی زبانوں سے کام لینا پڑے گا۔ اپنا راستہ انگریزی یا کسی اور زبان کی مدد سے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم انگریزی نہ پڑھیں اور اس میں بھی استعداد نہ حاصل کریں۔ یہاں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہماری ابتدائی تعلیم اور ثانوی تعلیم ہماری مادری زبان میں ہو اور اگر ہماری مادری زبان مثلاً اردو ہے تو اردو ذریعہ تعلیم ہو اور ہندی لازمی۔ اس کے علاوہ ثانوی منزل پر انگریزی بھی لازمی طور پر پڑھائی جائے، تاکہ ہم اس زبان کے ذریعے سے دنیا کے علمی خزانے تک پہنچ سکیں، لیکن انگریزی کی تعلیم یہاں صرف زبان کی تعلیم ہوگی تاکہ ہم انگریزی کی کتابوں کو پڑھ سکیں اور ان کے مطالب کو سمجھ سکیں۔ انگریزی ادب کی تعلیم یونی ورسٹی کی منزل کے لیے مخصوص ہوگی۔ یونی ورسٹی میں بھی عام طور پر آرٹس اور سائنس اور کامرس کے طلبا کو اتنی انگریزی آنی چاہیے کہ وہ ان علوم پر مستند کتابیں پڑھ سکیں۔ انگریزی بولنا اور لکھنا ان کے لیے اتنا ضروری نہیں۔ ہاں انھیں اپنی مادری زبان پر قدرت ہوگی اور کوئی ایک ہندوستانی زبان جانتے ہوں گے تو ان کے ذہن کی تعمیر صحیح خطوط پر ہوگی ورنہ ان کی مثال اس دھوبی کے کتے کی ہوگی جو گھر کا نہ گھاٹ کا۔ اس لیے ہمارے ماہرین تعلیم کا یہ فرض ہے کہ وہ ثانوی تعلیم تک مادری زبان سے کام لیں اور اعلیٰ تعلیم کی منزل پر بھی

اِس اشاعت میں

رفتہ رفتہ مادری زبان یا علاقائی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائیں اور عبوری دور میں انگریزی سے یہ کام لیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جدید ہندوستانی زبانوں کے حقوق کو نظر انداز کرکے انگریزی پر زور دینا غلط ہوگا جس طرح جدید ہندوستانی زبانوں سے وہ جذباتی لگاؤ جو انگریزی سے بیر رکھتا ہے نقصان دہ ہوگا۔ مثلاً جس طالب علم کی مادری زبان اردو ہے، اُسے اگر اردو کے بجائے ہندی کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس طالب علم سے سماج پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح اردو کے ذریعہ سے تعلیم پانے والے کو اگر ہندی ایک لازمی زبان کی حیثیت سے نہیں سکھائی جاتی اور وہ اس میں کمزور رہ جاتا ہے تو وہ اپنے علاقے کے مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ جو اردو کی اچھی بنیاد اور ہندی کی مناسب استعداد کے ساتھ اسے انگریزی سکھائی جائے تو اس کی شخصیت کا صحیح نشو و نما ہوگا، اس کا ذہن تخلیقی ہوگا، اس کا اور اس کے ماحول کا رشتہ مضبوط ہوگا۔ اگر اردو کی کمزور بنیاد اور ہندی کی ناقص استعداد پر انگریزی کو لیپ کر دیا جائے تو جو نسل تیار ہوگی وہ نہ اپنے کام آئے گی نہ قوم کے نہ دنیا کے۔ اس لیے انگریزی کی صحیح تعلیم کے لیے مادری زبان کی اچھی بنیاد اور علاقائی زبان کی مناسب استعداد کی ضرورت ہے۔ عالمی معیاروں تک پہنچنے کے لیے راستہ ہر ملک کا الگ ہوتا ہے۔ ہمیں اس نکتے کو کسی حال میں فراموش نہ کرنا چاہیے۔ اب لوگوں میں سنجیدگی سے مسائل پر غور کرنے کا میلان پیدا ہو رہا ہے۔ اگر زبانوں کی تعلیم کے مسئلے پر بھی سنجیدگی سے غور کیا جائے تو وہی راستہ سب سے موزوں نظر آئے گا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اس لیے سہ لسانی فارمولے کو ایمانداری سے چلانا اور سب کے مفاد کو ذہن میں رکھنا، ریاستی حکومتوں کا فرض ہے۔ ہمارا فرض ریاستی حکومتوں سے اس نکتے کو منوانا ہے۔

سیر بین

جناب اجمل خاں جو برسوں مولانا آزاد مرحوم کے پرائیویٹ سکریٹری رہے ہیں، حال میں راج سبھا کے ممبر نامزد ہوئے ہیں۔ انھوں نے غالباً اپریل کے آخر میں ہی ایوان میں حلف لیا ہے۔ شروع مئی میں ایک دن بھولے سے وہ راج سبھا کے بجائے لوک سبھا میں پہنچ گئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے، تب انھیں احساس ہوا کہ وہ غلط جگہ آگئے ہیں۔ چنانچہ چپکے سے باہر نکل گئے۔ کسی ممبر نے انھیں دیکھا اور صدر کو توجہ دلائی ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے   کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

ایک دوسرے ممبر نے بھی انھیں دیکھا تھا اور وہ سمجھے تھے کہ یہ شاید ہماری طرف کے کوئی نئے ممبر ہیں۔ جب پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اجمل خاں صاحب نے لوک سبھا کے اسپیکر کو خط لکھا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ معاملہ تو ختم ہوگیا۔ مگر ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اگر کوئی بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے گھر میں چلا جائے تو اس میں ایسا کیا حرج ہے۔ آخر پارلیمنٹ کے ممبر تو راج سبھا اور لوک سبھا دونوں کے ارکین کہلاتے ہیں اور کبھی کبھار دونوں سبھاؤں کا مشترک اجلاس بھی ہوتا ہے۔

پارلیمنٹ کا ذکر آگیا تو ایک لطیفہ اور سن لیجیے۔ دستور میں سترھویں ترمیم پر بحث ختم ہو رہی تھی۔ ووٹ لیے جانے والے تھے۔ قاعدہ ہے کہ ترمیم کے منظور ہونے کے لیے ممبران کی ایک خاص تعداد موجود ہونی چاہیے۔ اسی وقت کچھ پارلیمانی کمیٹیوں کے چناؤ ہو رہے تھے۔ چنانچہ جب رائے شماری کے لیے گھنٹی بجی تو بہت کم ممبر ایوان میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے بند کر دیے گئے اب رائے شماری ہوئی تو مطلوبہ تعداد سے کم ممبر حاضر تھے۔ کانگریسی ممبروں نے لاکھ عذر کیا کہ گھنٹی کی آواز سنی نہیں گئی اور دوبارہ رائے شماری کی گھنٹی ہونی چاہیے، مگر اسپیکر نے ایک نہ سنی۔ چنانچہ اب اس ترمیم پر غور کرنے کے لیے پارلیمنٹ کا ایک خاص اجلاس ۲۷ مئی سے بلایا گیا ہے۔ مخالف پارٹیوں کی خوب بن آئی ہے اور حکومت بغلیں جھانک رہی ہے۔ اگر کورم (یہ وہپ کا ترجمہ ہے) مضبوط ہوتا شاید یہ نوبت نہ آتی۔

اردو تعلیم کے پانچ سو اساتذہ کا تقرر

سرکاری ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اتر پردیش میں جولائی [illegible] میں رائج ہونے والے سہ لسانی فارمولا کے تحت زبانیں پڑھانے کے لیے تقریباً دو ہزار تین سو مزید اساتذہ مقرر کیے گئے ہیں۔ ان میں پانچ سو اساتذہ تیسری زبان کی حیثیت سے اردو پڑھانے پر مامور ہوئے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ امسال سہ لسانی فارمولا چھٹے درجے میں نافذ کیا گیا ہے اور آیندہ سال وہ چھٹے اور ساتویں درجوں میں نافذ ہوگا۔ (بحوالہ سیاست جدید)

استفسار

مجھے مندرجہ ذیل ادیبوں کے پتے درکار ہیں۔ جو صاحب "ہماری زبان" کے ذریعے یا براہ راست مجھے ان سے مطلع فرمائیں میں ان کا ممنون ہوں گا۔

اختر حسین رائے پوری۔ ابو اللیث صدیقی۔ شوکت سبزواری۔ شوکت صدیقی۔ ممتاز شیریں۔ شیخ محمد اکرام۔ رئیس احمد جعفری۔ مسعود اختر جمال۔ خورشید الاسلام۔ شیخ جمال مرحوم۔

(ہریش لال نارنگ [illegible] دہلی)

نیر اقبال

فورٹ ولیم کالج کے اساسی پہلو

(گزشتہ سے پیوستہ)

بکانن نے اس کے مقاصد کے سلسلے میں لکھا تھا:

"ایشیا کو عیسائیت سے منور کرنے کی ہماری امید ایک بار فورٹ ولیم کالج پر قائم ہوئی تھی، لیکن ایک نامساعد ہوا نے اس کو جھونپ دیا ہے اور اگر شاہی پارلیامنٹ اس معاملے میں دخل اندازی نہیں کرے گی تو اس ادارے کے بارے میں جس نے آدھی دنیا کو منور کر دیا ہے کہنا پڑے گا

FRUIT ILIUMET INGENS GLORIA

پھر بھی اس ادارے کا نام باقی رہے گا کیوں کہ اس کا ریکارڈ بہت سی زبانوں میں ہے اور وہ نیکی جو اس کے ذریعہ وجود میں آئی ہے کبھی فنا نہ ہوگی۔ اس نے بہت سے گمراہوں کو جنت کا راستہ دکھایا ہے۔ اگر فورٹ ولیم کالج دہلی میں اسی گرم جوشی سے سراہا جاتا جس گرم جوشی سے اس کی مخالفت کی گئی تو وہ دس سال کے مختصر عرصہ میں کیپ سے بحیرہ جاپان تک کی تمام زبانوں میں بائبل کا ترجمہ شائع کر سکتا تھا۔"

انگلینڈ میں ایک خیال یہ بھی ملتا ہے کہ لارڈ ویلزلی نے اپنا کالج صرف کمپنی کے ملازمین کی تعلیم کے لیے قائم کیا تھا۔ در حقیقت لارڈ ویلزلی نے فورٹ ولیم کالج مشرقی دنیا کو منور کرنے، ایشیا کو صحیح اخلاقی اصول، مذہب اور سائنس سے روشناس کرنے اور وہاں برطانوی طاقت اور حکومت کو مضبوط کرنے کے واسطے قائم کیا تھا۔

یہ مقاصد تھے جن کے تحت لارڈ ویلزلی نے کالج کے انتظامیہ کے نہ صرف اہم عہدے انگلینڈ کے گرجا کے منظور شدہ پادریوں کے لیے مخصوص کیے بلکہ اس نے باقاعدہ سیرام پور مشن کی سرپرستی بھی کی۔ کالج کی بیشتر کتابیں سیرام پور مشن پریس میں چھپتی تھیں۔ اس کے بانیوں کو کالج کے اندر اہم جگہیں سپرد کی گئیں اور ان کی ہر صورت سے سرپرستی کی گئی۔

انیسویں صدی کے اوائل ہی سے عیسائی مشنریوں نے ہندوستانی مذاہب کے ساتھ ہندوستانی رسم و رواج کے خلاف بھی جہاد بول دیا تھا۔ ان کی طرف سے ایسے طریقے استعمال کیے جاتے کہ بیوہ ستی نہ ہو سکے، کسی کی شادی نہ ہو۔ جہاں سماجی اصلاحات کے ذریعہ یہ لوگ انسان دوستی کا مظاہرہ کرتے وہاں یہ کوشش بھی کرتے کہ ان کے اثر میں آئے ہوئے لوگ عیسائیت قبول کر لیں۔ سیرام پور مشن کے پادری اس سلسلے میں پیش پیش تھے۔ وہ لوگ تمام ملک کا وقتاً فوقتاً دورہ کرتے اور ایسے اعداد و شمار فراہم کرتے جن سے غیر انسانی سماجی رسوم کی تباہ کاری کا علم ہوتا اور ان اعداد و شمار کے سہارے ان برائیوں کے خلاف مضامین لکھے لیکن چونکہ بنیادی طور پر ان کا مقصد اپنے مذہب کی ترویج و ترقی تھا، ان کی تمام مہمات صرف اور صرف اسی مقصد کے تحت ہوتی تھیں۔ اس لیے انسان دوستی کی حیثیت ثانوی ہوتی تھی۔ مذاہب کی ترقی کی راہ میں پہلی رکاوٹ مذاہب ہی ہوا کرتے ہیں۔ یہاں ان کو خاص طور سے ہندو اور اسلام مذہب سے واسطہ پڑا۔ انھوں نے ان تمام سماجی خامیوں کا ذمہ دار خاص طور سے ان دونوں مذاہب کو قرار دیا اور ان کی کھلے طور سے مذمت کی اور ان پر صاف صاف حملے کیے۔ ۱۸۱۸ء میں سیرام پور مشن کالج جن نظریات کے تحت قائم کیا گیا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہندوستانی عیسائیوں کے بچوں کو اس نہج پر ہندو اور مسلم مذہبی صحیفوں کی تعلیم دی جائے کہ وہ عیسائی مذہب اور ان مذاہب کے اصولوں کا تقابلی موازنہ کر کے پنڈتوں اور مولویوں کو مذہبی مناظرے میں شکست دے سکیں۔

فورٹ ولیم کالج ان مشنریوں کا نہ صرف سرکاری پشت پناہ تھا بلکہ خود کالج کے اندر سالانہ جلسوں میں ایسے موضوعات پر مباحثے کرائے جن کا بلا واسطہ تعلق ہندوستانی مذہبی اور سماجی مسائل سے ہوتا۔ ان کے کام کو تقویت پہنچائی جاتی۔ اسی قسم کے ایک موضوع کا جھگڑا تھا جس نے گل کرسٹ کو کالج سے استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ڈاکٹر گل کرسٹ خود بھی ذاتی طور پر خاصا مذہبی آدمی تھا۔ اس کے مشنریوں سے گہرے تعلقات تھے۔ وہ عیسائیت کی ترقی اور ترویج میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا۔ اس نے نہ صرف بائبل کو ہندوستانی زبانوں میں منتقل کرنے میں مدد کی بلکہ قرآن شریف کا ترجمہ بھی مذکورہ بالا نہج پر کرانے کا اہتمام کیا تھا۔ ایسے عوامل تھے جنھوں نے ہندوستانیوں کو بے طرح مشتعل کر دیا اور مجبوراً گل کرسٹ کو کالج چھوڑنا پڑا۔

۱۸۵۷ء کی انقلابی جد و جہد غیر ملکیوں کے خلاف بے اطمینانی کے تدریجی ارتقا کی نقطۂ عروج تھی۔ اس بے اطمینانی کے جہاں اور اسباب تھے وہاں ایک سبب عیسائی مشنریوں کی تبلیغی مہمات بھی تھیں۔ اس بات کا اعتراف خود ان مشنریوں کی تصنیف کردہ غدر کی تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔

تہذیبی پہلو

سماجی اور تہذیبی اعتبار سے بھی ہندوستانی زندگی میں اس ادارے کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ ۱۸ ویں صدی کے اواخر تک لوگ عیسائی مذہب تو قبول کر لیتے تھے لیکن تہذیبی طور سے اہل یورپ سے متاثر ہونے کا رواج شروع نہیں ہوا تھا۔ یہ نو عیسائی عموماً رہن سہن میں ہندوستانیت ہی برقرار رکھتے تھے۔ دکن میں مغربی سواحل کے اہم عیسائیوں کی تصاویر بھی زیادہ تر ان کے اپنے قومی لباس میں ہی ملتی ہیں لیکن انیسویں صدی کے اوائل میں بنگالی غیر ملکی طور طریقوں سے بے طرح متاثر ہونا شروع ہوئے۔ اس میں فورٹ ولیم کالج کا ہاتھ بہت دور تک ہے۔ یہ ادارہ دو راستوں سے ہندوستانی زندگی پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ ایک تو تمام یورپی نوجوان جو ہندوستانی سول سروس کے مختلف عہدوں پر فائز کیے جاتے تھے لازمی طور سے یہاں کے پاس شدہ ہوتے۔ یہ لوگ ملکیوں اور ماتحتوں کو اپنے اثر میں

لانے کی باقاعدہ تعلیم اس کالج میں حاصل کیا کرتے تھے۔ اور اپنے علاقوں میں جا کر ان اصولوں پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ دوسرے اس کالج کا پچھلا عملہ تمام ہی ہندستانیوں پر مشتمل تھا وہ بلا واسطہ اس زندگی کے اثرات قبول کرتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک وہ دور تھا جب غیر ملکی ہندستانی زندگی سے واقف ہونے کی سعی کرتے رہتے تھے لیکن انیسویں صدی کے اوائل سے حالات اس طرح بدل گئے کہ ہندستانی یورپی تہذیب و تمدن سے واقف ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ اس تلاش و جستجو کو بڑی حد تک اسی کالج سے تقویت ملی۔

علمی اعتبار سے یہ یورپی عالم چاہے وہ ایشیاٹک سوسائٹی جیسے علمی ادارے سے تعلق رکھتے یا سیرام پور مشن جیسے مذہبی ادارے سے یا فورٹ ولیم کالج جیسے سرکاری ادارے سے متعلق تھے۔ بے حد غیر جانب دار اور بے حد ایماندار تھے۔ ان لوگوں کے ذہن میں یہ خیال تھا ہی نہیں کہ ہندستان کے اندر زبان یا ادب کی بنیادوں پر کوئی نفاق پھیلایا بھی جا سکتا ہے۔ علمی اعتبار سے وہ ملک کو درحقیقت منور کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اس بات کا احساس بھی رکھتے تھے کہ صحیح معنوں میں ملک کے تعلیمی تقاضے اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب کہ تعلیم کا ذریعہ ملکی زبانوں کو قرار دیا جائے۔ ملکی زبانوں کی کثرت البتہ ان کو پریشانی میں مبتلا کر دیتی تھی۔ اس کثرت کے درمیان انھوں نے وحدت کے رشتے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہ اختلافات تو پیدا ہوئے کہ وہ کون سی ہندستانی زبان ہو سکتی ہے جو تاریخی، لسانی اور سماجی قدروں کی پوری پوری نمائندگی کر سکے اور ان بنیادوں کے لحاظ سے ناگزیر قرار دی جا سکے لیکن ان اختلافات کے پیچھے کوئی سیاست کارفرما نہ تھی بلکہ بے پناہ عالمانہ خلوص تھا۔

انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اس مسئلہ پر زبردست بحث ہوئی کہ ہندستان کی سرکاری زبان انگریزی ہو یا نہ ہو سرکاری حلقے انگریزی کی حمایت میں تھے لیکن تمام بڑے بڑے مستشرق اس رائے کے حامی تھے کہ ملک کی بہبودی اسی میں ہے کہ سرکاری اور علمی زبان کوئی ہندستانی زبان ہو۔

اس مقدمہ میں انگریزی کے موافقین کی جیت ہوئی اور پارلیمنٹ میں بل پاس کر کے سرکاری زبان انگریزی قرار دے دی گئی۔ ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا کہ مدرسوں، پریسوں میں یا سرکاری امداد کے تحت مشرقی زبانوں کی جو کتابیں زیر طباعت ہیں ان کی طباعت رکوا دی جائے اور ان کے طبع شدہ اوراق ردی کاغذ سمجھے جائیں اور ان کو فروخت کر دیا جائے۔

اس وقت ان تمام مشرقی علما نے بھی صرف چند کتابوں کی طباعت کی تکمیل کا انتظام کیا۔

انگریز حکمرانوں نے لسانی قضیہ کو سیاسی رنگ دیا لیکن یہ بہت بعد کی بات ہے۔

علمی اور ادبی میدان میں ان تمام یورپی مستشرق علما کی خدمات بجا

کشمیر کی تاریخ و ثقافت پر چند نایاب مخطوطات

حال ہی میں حکومت کشمیر کے محکمۂ تحقیق و اشاعت نے کشمیر کی تاریخ و ثقافت کے موضوع پر چند نایاب مخطوطات حاصل کیے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) تاریخ کبیری مصنفہ حاجی غلام محی الدین مسکین سنہ ۱۳۱۰ھ

(۲) جواہر المنظوم، جو پیغمبر اسلام کے حالات زندگی پر محیط ہے اور فارسی زبان میں سنہ ۱۳۱۳ھ میں لکھی گئی۔ ملا احمد میرانی کشمیری کی تصنیف ہے۔

(۳) دیا رام خوشدل کی فارسی کتاب "شیر و شکر" اور دوسرے مخطوطات کی عکسی نقول۔

(۴) تاریخ لداخ مصنفہ کرم بخش۔

ان کے علاوہ مہان سنگھ کی تاریخ کلاں کشمیر (اس کی صرف ایک جلد پنجاب کے دفتر آثار قدیمہ پٹیالہ میں ہے) اور مراسلہ جات کی عکسی کاپیاں بھی حاصل کی گئی ہیں۔ مراسلہ جات میں وہ تمام خفیہ خط و کتابت شامل ہے جو لدھیانہ ایجنسی اور مہاراجہ گلاب سنگھ اور دیوان جوالا سہائے کے درمیان ہوئی۔

اس محکمہ کے پاس ڈھائی ہزار سے زیادہ سنسکرت اور شاردا زبان کے مخطوطات، تین ہزار فارسی، عربی اور کشمیری مخطوطات اور تین سو پچاس دوسرے نایاب مخطوطات کی عکسی کاپیاں ہیں۔

ان مخطوطات کی معقول طور پر حفاظت کے لیے ایک ایئر کنڈیشنڈ عمارت کی تعمیر زیر غور ہے جہاں ان مخطوطات کو جدید سائنٹفک اصولوں کے تحت رکھا جائے گا۔

رشید رامپوری کا انتقال

حضرت رشید رامپوری کا طویل علالت کے بعد ۱۸ اپریل سنہ ۷۶ء کو انتقال ہو گیا۔ وہ اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب ادیب بھی تھے۔ انھوں نے کئی ناول، ڈرامے اور "خیابان مسرت" کے نام سے داغ کی سوانح حیات بھی لکھی ہے۔

* ناقابل فراموش ہیں۔ اور خاص طور سے فورٹ ولیم کالج کے کارنامے تو لاثانی ہیں۔ ہندستان کی ورناکیولر زبانوں کو ترقی دے کر علمی اور ادبی مرتبہ تک پہنچانے میں اس کالج کا بہت بڑا حصہ ہے اس کے علاوہ یہاں سے ملک کی کلاسیکی زبانوں کے ایسے نادر مخطوطات کی تلاش، تحقیق اور طباعت ہوئی جو قعر گمنامی میں پڑے پڑے فنا کے قریب پہنچ چکے تھے اس سلسلے میں خاص طور سے عربی ادب کو فورٹ ولیم کالج کا نسبتاً دوسری زبانوں کے زیادہ احسان مند اور شکرگزار ہونا چاہیے۔

اختر نظمی

بے خواب آرزوئیں

ایک پیکر ہے جس کے گرد اکثر
میں خیالوں کے جال بُنتا ہوں
پیار کے خواب مسکراتے ہیں
آرزوؤں کے پھول چُنتا ہوں

اک تصور ہے اس تصور میں
چاہتا ہوں کہ رات کٹ جائے
ایک آنچل ہے جس کے سائے میں
چاہتا ہوں حیات کٹ جائے

ایک نغمہ ہے، کاش یہ نغمہ
میرے دل کی صدا میں کھو جائے

چاہتا ہوں کہ ایسا ہو جائے
جانتا ہوں کہ یہ نہیں ہوگا

——※——

ندا فاضلی

رنگ محل

میں اکثر دیکھا کرتا ہوں!
گھر کی چوکھٹ سے ہوٹل تک —
دو ٹانگیں جھولا کرتی ہیں۔
— لکڑی کی کرسی پر بیٹھی۔
اک سگرٹ مانگا کرتی ہے

— بجلی کے بے حس تاروں میں
دو آنکھیں جھولا کرتی ہیں

— کاغذ کے کورے پنّوں پر
ٹوٹی پسلی ایک کلائی
انگن سی رینگا کرتی ہے —
جانے کن ظالم ہاتھوں نے؟
چلتے پھرتے رنگ محل کو!!!
بیدردی سے توڑ دیا ہے
ٹکڑے کرکے چھوڑ دیا ہے

——※——

پی۔ ایف۔ واچھا　　ترجمہ: عبدالغنی

ہندی، اردو اور انگریزی

ملک کے آئین میں ہندی کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ ہندوستان کی آبادی کے تقریباً ۴۰ فی صد لوگوں کی یہ مادری زبان ہے۔ ملک کی آبادی کی ایک بھاری اکثریت کی بولی ہونے کے ناطے یہ ملک کی سب سے اہم زبان ہے۔ ۱۹۵۰ء میں ملک کا آئین بنانے والوں نے دس سال کی میعاد مقرر کی تھی جس میں ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے انگریزی کی جگہ لے لینا چاہیے تھی لیکن افسوس کہ خود ان ریاستوں میں جہاں یہ زبان عام طور پر بولی جاتی ہے ہندی اب تک اپنا مقام حاصل نہیں کر سکی ہے۔ ماضی کی شاندار روایات، عہدِ وسطیٰ کے شعرا تلسی داس، سور داس، کبیر، رحیم، میرا بائی وغیرہ کا عظیم الشان ادبی ورثہ جن کی تخلیقات زبانِ عوام ہیں، لسانی اور صوتی اعتبار سے نہایت معقول رسمِ خط اور حکومت کی سرپرستی کے باوجود موجودہ ہندی زبان اتنی "لاغر اور نحیف" ہے کہ وہ نہ تو غیر ملکی لیکن ہر موضوع پر حاوی انگریزی زبان اور نہ ہی اسی دیس میں پیدا اور جوان ہونے والی اپنی ہی شیریں اور گنگا جمنی بہن اردو کو دعوتِ مقابلہ دے سکتی ہے۔

گو کہتے کی یہ کہاوت کہ ادب کا زوال قوم کے زوال کی نشاندہی کرتا ہے سچ ثابت ہو رہی ہے۔ پنجاب، بنگال، مہاراشٹر اور مدراس کے غیر ہندی صوبوں کے برخلاف ہندی صوبوں میں زبان کے زوال کے ساتھ ساتھ وہاں کی اقتصادی حالت اور عام ترقی بھی مائل بہ انحطاط ہے۔

آزادی کے بعد کے زمانہ میں باوجود سرکاری سرپرستی کے ہندی زبان پر جو تنزل چھاتا چلا جا رہا ہے اس کے اسباب معلوم کرنا مشکل نہیں۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد انگریزی زبان نے اپنا دامن یونانی، لاطینی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں کے لفظی سرمائے سے بھر لیا۔ اس کے برخلاف ہم ہندی والوں نے اس زعم باطل میں کہ ہندی ایک خالص دیسی زبان ہے اور اس میں کسی قسم کی ملاوٹ روا نہیں، اس کو ایسا غیر لچک دار، غبیٹ اور جامد بنا دیا ہے کہ اس میں ہندوستان جیسے وسیع ملک اور یہاں کی مختلف النوع قوم کے لیے "اظہارِ خیال" کا عام ذریعہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

آج غالب، حالی، میر، اقبال، مومن، داغ، اکبر، حفیظ، جوش، محروم اور آزاد کے اردو اشعار تو زبان زدِ عوام ہیں اور ان کو ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن ہندی نے عرصے سے ایسا ادب تخلیق کرنا بند کر دیا ہے جو عوام کے دھڑکتے دلوں اور دہکتے خیالات کی ترجمانی کر سکے۔ اردو زبان نے کتنا اچھا کیا کہ نہ صرف تمام مقامی زبانوں سے استفادہ کیا بلکہ دوسری زبانوں سے بھی بہت کچھ حاصل کیا اور اس طرح ادب نوازوں کے لیے غیر معمولی

کشش کا باعث بن گئی۔ بقول ایک اردو شاعر، اردو نے اپنے حسن کو نکھارنے کے لیے ہر تمدن اور زبان سے خوشہ چینی کی ہے اور اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ اپنے وطن ہندوستان ہی کی طرح مختلف زبانوں اور ثقافتوں کا ایک حسین سنگم ہے۔ کاش جدید ہندی بھی ایسا کوئی دعویٰ کر سکتی۔

اس بات پر کوئی حیرت نہ ہونی چاہیے کہ ایک ایک روپے کی سستی کتابوں کے سلسلے میں دیوناگری خط میں چھپے ہوئے اردو شعرا کے دیوان اور انتخابات تو ہاتھوں ہاتھ بکتے ہیں لیکن ہندی شعرا کی کتابیں کتاب فروشوں کی الماریوں کی زینت ہی بنی رہتی ہیں۔ انھیں کوئی کوڑیوں کے مول بھی نہیں خریدتا۔ اور اگر بکتی بھی ہیں تو کتب خانوں کی الماریوں ہی میں رکھے رکھے ان میں دیمک لگ جاتی ہے۔ شاذ ہی کوئی انھیں پڑھتا ہے۔ مجھے مختلف زبانوں کی ایسی کہاوتوں کے جمع کرنے کا شوق ہے جو ہندوستانی پس منظر میں زندگی گذارنے والوں کی روزمرہ کے مسائل میں رہنمائی کر سکیں۔ ہندی سے غیر معمولی شغف اور لگاؤ ہونے کے باوجود میرے اس مجموعے میں ۲۵ فی صدی انگریزی کی، ۳۰ فی صدی اردو کی، ۱۲ فی صدی قرون وسطیٰ کی ہندی کی، ۱۰ فی صدی پنجابی کی، ۲۰ فی صدی سنسکرت کی اور صرف ۳ فی صدی جدید ہندی زبان کی کہاوتیں شامل ہیں۔ کتنی پیاری، اچھوتی اور جاندار تھیں ان سادھو کویوں کی ہندی جو عوام کے دل میں اتر کر چل جاتی تھی اور جو پوری قومی زندگی کا آئینہ تھی۔ ہندی کو اپنی تمام بہن زبانوں سے خواہ ان کی اصل کچھ بھی کیوں نہ ہو استفادہ کرنے میں ذرہ بھر بھی ہچکچاہٹ نہ محسوس کرنی چاہیے۔ عام مقبولیت صرف اسی طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ایک بار میرا تبادلہ اتر پردیش کے ایک ایسے مشرقی ضلع میں ہوا جہاں بھوجپوری زبان زیادہ بولی جاتی ہے۔ کچھ ہندی نواز شخص اعلیٰ افسروں سے ملے اور میری شکایت کی کہ میں ہندی کو اردو اور پنجابی لہجہ میں بولتا ہوں اس لیے میرا تبادلہ کسی مغربی ضلع میں کر دیا جائے۔ یہ شکایت میرے حق میں مفید ثابت ہوئی اس لیے کہ فوراً ہی عوام کا ایک وفد انھیں افسروں سے ملا اور میری زبان کے متعلق کہا کہ وہ ہم سب کی سمجھ میں آتی ہے اور یہ درخواست کی کہ مجھے مزید چند سال اسی ضلع میں رکھا جائے۔ افسران بالا نے عوامی وفد کی یہ درخواست منظور کر لی اور میں کئی سال اسی ضلع میں رہا۔

اس مسئلہ کا ایک اہم پہلو بھی ہے جس کو ہندی اور انگریزی کی حیثیت کا جائزہ لیتے وقت نظر میں رکھنا چاہیے اور جس پر کافی سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ مجھے ایک بار ایک ایسی کتاب کی ضرورت پڑی جو مجھے گھر کی تیمارداری، فرسٹ ایڈ، عملی زراعت، باغبانی، صحافت، فوٹوگرافی، مرغیوں اور دوسرے جانوروں کی دیکھ بھال وغیرہ کے متعلق بنیادی معلومات بہم پہنچا سکتی۔ مجھے اس وقت بڑے خوشگوار استعجاب سے دوچار ہونا پڑا جب مجھے یہ تمام معلومات انگریزی کی صرف ایک کتاب "پیرس سائیکلوپیڈیا" میں مل گئیں جس کی قیمت صرف پانچ روپیہ ہے۔ یہ کتاب معلومات کا ایک ایسا خزانہ ہے جس سے نہ صرف مذکورہ بالا فنون کے متعلق بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

میں ہمیشہ سے ہندی کا گرمجوش حامی ہوں۔ ایک بار میں نے ایک تخمینہ بنایا کہ مذکورہ بالا تمام موضوعات پر ہندی کتابوں کو کتنی رقم میں حاصل کیا جا سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے لیے کم از کم دو سو روپیہ کی ضرورت ہوگی لیکن پھر بھی اس معلومات کا عشر عشیر بھی نہ حاصل ہو سکے گا جو "پیرس سائیکلوپیڈیا" میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی چالیس لاکھ جلدوں سے زیادہ فروخت ہو چکی ہیں اور جس زبان میں یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے وہ ہندی کے ہوتے ہوئے آج بھی ہندوستان میں ڈٹی ہوئی ہے۔

سینکڑوں ہندی ادارے ہندی کی کتابیں چھاپنے میں مصروف ہیں لیکن ان میں سے شاید ہی کوئی کتاب بکتی ہو۔ ہندی اہندی بولنے والوں، اور ملک میں جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے نصب العین کی یہ اصلی خدمت ہوگی اگر یہ ادارے پیرس سائیکلوپیڈیا یا چیمبرز ڈکشنری، گولڈن ٹریژری کے طرز پر معلوماتی اور ادبی کتابیں چھاپنا شروع کر دیں۔ اسی طرح وہ ہندی میں ملک کی قومی زبان بننے کی صلاحیت پیدا کر سکیں گے۔

(نیشنل ہیرالڈ)

اقبالؔ کو سوویت عوام کا خراجِ عقیدت

اقبالؔ کی وفات لاہور میں ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی۔ سوویت عوام ہر سال اس تاریخ کو ان کی یاد مناتے ہیں۔ اس بار بھی ۲۱ اپریل کو سوویت عوام نے اقبالؔ کے عظیم الشان کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

اقبالؔ کی نظمیں سوویت یونین میں بے حد مقبول ہیں اور اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جلد ہی اقبالؔ کی نظموں کا ایک نیا مجموعہ چھاپا جائے گا۔ اس مجموعہ میں بانگ درا، پیام مشرق، ضرب کلیم، بال جبریل اور دوسرے مجموعوں کی منتخب نظموں کے ترجمے شامل ہوں گے۔ سوویت یونین کی سائنس اکاڈمی کی طرف سے ایک کتاب شائع ہو رہی ہے جس میں اقبالؔ کی مشہور مثنویات اسرار خودی اور جاوید نامہ کے فلسفیانہ، جمالیاتی اور ادبی پہلوؤں کا تجزیہ شامل ہے۔

نوجوان سوویت سائنسداں نتالیا پریگارینا جلد ہی ایک مضمون شائع کرنے والی ہیں جس کا عنوان ہے "اقبالؔ کی تحقیقات کے سنگ میل"۔ اس مضمون سے اندازہ ہو سکے گا کہ سوویت یونین میں اب تک اقبالؔ کی زندگی اور شاعری پر کتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

انجمن کی شاخ حلقہ بیرونی دہلی کا جلسہ

انجمن کی ضلع شاخ کا اجلاس بتاریخ ۲۵ اپریل ۱۹۶۲ء کو ادھم نگر میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت ڈاکٹر ہری کشن صدر منڈل کانگریس کمیٹی نے کی اور شری چرن داس کپور نے مہمان کے اعزاز میں پرتکلف پارٹی دی۔ شاخ کی سرگرمیوں کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے نندلال پروانہ جنرل سکریٹری نے بتایا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک اس علاقے کے ہر اسکول میں اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو جائے گا ہم سکھ کا سانس نہیں لیں گے۔ انھوں نے کہا کہ ہر اسکول میں اردو کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند طلبا تیار کیے جائیں گے اور پھر ان کی تعلیم کے لیے معقول انتظام کر دیا جائے گا۔ فی الحال ہمارا دوسرا پروگرام انجمن کی ماہانہ ادبی نشست منعقد کرنا ہوگا جس میں اردو کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کی جائے گی۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کر کے ہم زیادہ سے زیادہ اچھے لکھنے والے اپنی شاخ سے پیدا کریں گے۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ ہم فی الحال شاخ کی مالی پوزیشن کے پیش نظر کوئی اردو اسکول یا لائبریری کھولنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ شری بی۔ ایل چندن جرنلسٹ اور شری ہنس راج مہرہ ایڈیٹر آتیق نے بھی اپنی تقریروں میں شری پروانہ کے پیش کردہ پروگرام کی تائید کی۔ ڈاکٹر ہری کشن نے اپنی تقریر میں یقین دلایا کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی شاخ کے پروگرام کی تکمیل کے لیے پوری امداد کریں گے۔ انجمن کی طرف سے مئی کے آخر میں جو مشاعرہ ہوگا اس کے لیے گاندھی نگر سے وہ ایک سو روپیہ بطور عطیہ دیں گے۔

ادبی نشست میں جناب جانکی رام مسرور۔ نندلال پروانہ جوہر چنیوٹی۔ بی۔ ایل چندن۔ سید حسن اختر۔ گمبھیر سنگھ ساحر روشن لال زخمی۔ سدرشن کمار کانت اور جواری لال حقیقت نے حاضرین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمایا۔ آخر میں جنرل سکریٹری نے انجمن کی طرف سے شری چرن کپور کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس اجلاس کا سارا اہتمام کیا تھا۔ (سکریٹری)

گورکھپور کے اردو کارکن کا انتقال

معراج ادب گورکھپور کے جنرل سکریٹری جناب راحت حسین یوسف زئی کا طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ مرحوم اردو کے سرگرم کارکن تھے اور گورکھپور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کا قیام مرحوم ہی کی جی توڑ جد و جہد کا نتیجہ ہے۔ حال ہی میں اردو کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے بارے میں انھوں نے اترپردیش کی وزیر اعلیٰ سچیتا کرپلانی کو ایک میمورنڈم بھی پیش کیا تھا۔

انجمن ترقی اردو بودھن کے زیر اہتمام محفل نثر

انجمن ترقی اردو شاخ بودھن مستقر شکر نگر کی جانب سے ایک محفل نثر کا پروگرام بتاریخ ۱۰ اپریل ۱۹۶۲ء زیر صدارت سید عبدالرشید صاحب رنگین ترتیب دیا گیا۔ صدر الدین فریم۔ شاہد قادری۔ حمایت علی ناصف۔ نصرت نسیم۔ عظمت اللہ حسین معصوم۔ فرحت محمود۔ عبدالمنان قریشی۔ مرزا عسکری حسین۔ عبدالحلیم صدیقی نے اپنے مضامین سنائے۔

یہ دلچسپ محفل نثر شب میں ایک بجے جناب ساغر حیدرآبادی معتمد کے شکریہ پر اختتام کو پہنچی۔ (ساغر حیدرآبادی معتمد)

سردار جعفری کے مجموعوں پر سوویت تصنیف

ازبکستان کے ماہر لسانیات تی محمد دنت نے سردار جعفری کے پانچ شعری مجموعوں (نئی دنیا کو سلام۔ خون کی لکیر، ایشیا جاگ اٹھا، امن کا ستارہ، پتھر کی دیوار) پر مبنی ایک ضخیم کتاب تصنیف کی ہے۔ غیر ملکی ادب میں جعفری کی تخلیقات کے متعلق یہ اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں فیض احمد شفیق اور ڈاکٹر قمر رئیس (پروفیسر تاشقند یونیورسٹی) نے بیش قیمت معلومات فراہم کی ہیں۔

بحر اللغات

۱۰۰۰۔ عبادت گاہ۔ اسم۔ عبادت گاہ، عبادت خانہ، جائے عبادت، جائے پرستش، پرستش گاہ، سجدہ گاہ، خانۂ خدا، خدا کا گھر، پرستش گھر، مسجد، حرم، کعبہ، بیت اللہ، آستانہ، درگاہ، خانقاہ، عید گاہ، جا نماز، مصلیٰ، مسند، دیار، باب اللہ، منارہ، گنبد، مقبرہ، روضہ، زیارت گاہ، امام باڑہ وغیرہ۔

مندر، بت خانہ، پوجا گھر، گرجا، کلیسا، گوردوارہ، دیر، لاٹ، استوپ، سمادھی وغیرہ۔

یہ ہوا ROGET کی THESAURUS کے آخری عنوان کا مکمل یا بہ چند ترجمہ۔ اگر فرصت ہوتی تو پوری ایک THESAURUS اردو میں تیار کر لیتا۔

اردو میں ایک ایسی لغت کی ضرورت ہے۔ اکیلا نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر انجمن ہی آگے بڑھ کر یہ کام کر ڈالتی۔ (اقبال کرشن)

جامعہ نظامیہ کے قلمی تذکرے

جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں قلمی کتابوں کا بھی خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ پندرہ سو سے زیادہ مخطوطات ہیں چناں چہ عربی (۹۰۰) فارسی (۴۴۸) اور اردو مخطوطات (۱۴۶) ہیں۔ ان کے منجملہ کوئی عربی یا اردو قلمی تذکرہ نہیں البتہ فارسی گیارہ تذکرے ہیں۔ ان ہی کی یہاں مختصر صراحت کی جاتی ہے۔ یہ تذکرے حسب ذیل ہیں۔

(۱) سفینۃ الاولیا	مصنف	محمد داراشکوہ
(۲) تذکرۂ اولیا	"	شیخ فریدالدین عطار
(۳) تذکرۂ طاہر	"	محمد طاہر نصیرآبادی
(۴) اخبار الاخیار	"	شاہ عبدالحق دہلوی
(۵) مآثرالامرا ناقص الآخر	"	صمصام الدولہ شاہنواز خاں
(۶) مشکوٰۃ النبوت	"	شاہ موسیٰ قادری
(۷) کلمات الشعرا	"	محمد افضل سرخوش
(۸) خزانۂ عامرہ	"	مولانا غلام علی آزاد
(۹) تذکرۂ شعرا	"	شاہ رفیع الدین قندھاری (دکنی)
(۱۰) تذکرۂ شعرا	"	میر شمس الدین فقیر دہلوی
(۱۱) بہار و خزاں	"	بہاءالدین عروج

ان میں سے دو چار تذکرے یعنی مآثرالامرا، خزانۂ عامرہ، اور کلمات الشعرا وغیرہ طبع ہو گئے ہیں۔ لیکن زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں اس لیے ان کے متعلق یہاں مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔ امید ہے موجب دلچسپی ثابت ہو۔

(۱) سفینۃ الاولیا۔ محمد داراشکوہ فرزند شاہ جہاں بادشاہ کا مصنفہ تذکرہ ہے۔ کتب خانہ ہذا کا نسخہ سنہ ۱۳۶۰ھ کا لکھا ہوا ہے (۶×۹) سائز کے (۳۰۲) صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) تذکرۂ اولیا۔ شیخ فریدالدین عطار کا مرتبہ تذکرہ (۱۰×۶½) سائز کے (۴۲۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلا صفحہ مفقود ہے، کتابت کی تاریخ ۲۴ جمادی سنہ ۲ جلوس ہے۔ کئی مواہیر ثبت ہیں۔

(۳) تذکرۂ طاہر۔ محمد طاہر نصیرآبادی کا مصنفہ تذکرہ ہے فارسی گو شعرا کے حالات درج ہیں۔ کتب خانہ ہذا کا نسخہ (۹½×۶) سائز کے (۴۴۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴) اخبار الاخیار۔ مصنفہ شاہ عبدالحق دہلوی۔ کتب خانہ ہذا کا نسخہ (۸×۵½) سائز کے (۱۶۹) صفحات پر حاوی ہے، سنہ ۱۱۱۵ھ میں لکھا گیا ہے۔

(۵) مآثرالامرا۔ مصنفہ صمصام الدولہ صرف ایک جلد ہے جو (۱۳×۹) سائز کے (۶۱۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مرتبہ ہوا ایشیاٹک سوسائٹی کی جانب سے شایع ہو چکی ہے۔

(۶) مشکوٰۃ النبوت۔ دکن کے ایک صوفی بزرگ شاہ موسیٰ قادری کا مرتبہ تذکرہ ہے جس میں اولیا دکن کے حالات درج ہیں۔ (۹½×۵) سائز کے (۱۵۲) صفحات پر مشتمل ہے۔

(۷) خزانۂ عامرہ۔ مولانا سید غلام علی آزاد کا مشہور تذکرہ جو طبع بھی ہو چکا ہے۔ کتب خانہ ہذا کا نسخہ (۱۲×۷½) سائز کے (۴۴۳) صفحات پر مشتمل ہے۔ سنہ ۱۲۶۱ھ میں یہ نسخہ لکھا گیا ہے۔

(۸) کلمات الشعرا۔ مصنفہ محمد افضل سرخوش۔ شعرا کا تذکرہ ہے۔ ناقص الطرفین ہے (۹½×۵½) سائز کے (۱۲۴) صفحات پر ہے۔ یہ تذکرہ اب شایع ہو گیا ہے۔

(۹) تذکرۃ الشعرا۔ قندھار دکن کے ایک بزرگ شاہ رفیع الدین ابن شمس الدین، کا مصنفہ ہے۔ اس تذکرے کی کتابت سنہ ۱۲۳۶ھ میں ہوئی ہے۔ چوں کہ شاہ رفیع الدین کا انتقال سنہ ۱۲۴۱ھ میں ہوا، اس لیے یہ نسخہ شاہ صاحب کی زندگی میں مکتوبہ ہوا ہے اس لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ (۹½×۶) سائز کے (۲۵۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) تذکرۂ شعرا۔ مصنفہ میر شمس الدین فقیر دہلوی۔ میر شمس الدین دہلی سے اورنگ آباد آئے تھے پھر دہلی کو واپس جا کر اس تذکرہ کو مرتب کیا ہے۔ اس میں دکن اور شمالی ہند کے شعرا کا حال درج ہے (۹½×۶) سائز کے (۲۰۹) صفحات پر مشتمل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ناقص الطرفین ہے۔

(۱۱) تذکرہ بہار و خزاں۔ دکن کے ایک مشہور شاعر بہاءالدین عروج کا تذکرہ شعرا ہے، نایاب ہے۔ ایک آدھ نسخہ ہی دستیاب ہوتا ہے۔ یہ نسخہ (۹×۶) سائز کے (۲۶۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس تذکرہ کی تصنیف سنہ ۱۱۸۰ھ میں شروع ہوئی اور دس سال کے بعد سنہ ۱۱۹۰ھ میں مکمل ہوا ہے۔ کتب خانہ ہذا کا نسخہ سنہ ۱۲۳۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔ (نصیرالدین ہاشمی)

سالانہ اجلاس انجمن ترقی اردو صوبہ دہلی

(۲)

احسن صاحب نے اپنی عالمانہ تقریر میں اردو ادب کی پچاس سالہ تاریخ کو بہت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا۔ انھوں نے تقریر کے دوران فرمایا جنگ عظیم سے پہلے اخبار بینی کا شوق اتنا نہیں تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں ہی اردو کے بہت بڑے بڑے کئی ادیب دنیا سے سدھار گئے۔ اگر اس وقت کا لٹریچر موجود ہوتا تو جنگ آزادی میں اردو کا حصہ کے سلسلے میں بڑی مدد ملتی۔

اپنی تقریر کے آخر میں احسن صاحب نے فرمایا ۱۹۳۵ء میں جوش ملیح آبادی نظم کے سرکردہ سمجھے جاتے تھے اور نثر میں منشی پریم چند۔

دلی میں اردو زبان کے مسئلے پر احسن صاحب نے فرمایا میں بھی اس کمیٹی کا ایک ممبر تھا جس نے ہندی اور انگریزی کے ساتھ اردو کو دلی کی زبان تسلیم کیا تھا۔

جنرل سکریٹری نے سالانہ رپورٹ پیش کی اور پھر ممبران جنرل کونسل نے اردو کے متعلق تجاویز پیش کیں۔

حسن نعیم صاحب نے ساہتیہ اکیڈمی سے متعلق تجویز پڑھی۔

عبداللطیف اعظمی صاحب نے سہ لسانی فارمولے کے متعلق تجویز پیش کی۔ اس کی تائید فرماتے ہوئے ڈاکٹر سعید انصاری نے کہا مڈل اسٹیج میں دلی کے اسکولوں میں تین زبانیں سکھانے کی ہدایات حکومت ہند کو دینی چاہئیں۔ دلی کے کسی اسکول میں اردو کی حالت اطمینان بخش نہیں۔ یہاں کے جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کے لیے اسکولوں میں معقول انتظام محکمۂ تعلیم صوبۂ دلی کو کرنا چاہیے۔

آل انڈیا ریڈیو پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا رزولیوشن پیش کیا گیا۔ غالب یادگار کمیٹی کے متعلق حمیدہ سلطان نے تجویز پیش کی ڈاکٹر محمد حسن نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا جمہوری حکومت میں لوگوں کے دلوں کو بدلنے کا کام نہایت ضروری ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ غالب جو اردو کا ایک عظیم شاعر ہے مرتے دم تک محبت کا پیغام دیتا رہا اردو پیار کی زبان ہے۔ غالب کی سو سالہ برسی منانے کے لیے بے حد ضروری ہے کہ پہلے دلوں سے نفرت کی کدورت دور ہو جبھی شان سے یہ تقریب منائی جا سکتی ہے۔

وہ عرضداشت جو حکومت ہند کے سامنے پیش کی جائے گی دلی میں اردو کو علاقائی زبان کی حیثیت دینے کے لیے حمیدہ سلطان نے پڑھ کر سنائی۔ اور اس کی تائید میں جناب شیو پرشاد سنہا ایڈوکیٹ وصدر شاخ جنوبی دلی نے فرمایا اردو کی شیرینی اور لطافت کا مقابلہ ہندوستان کی اور کوئی زبان نہیں کر سکتی۔ اس لیے اس کی طرف سے ان دنوں بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ ہم یہ عرضداشت پیش کر کے خاموش نہ بیٹھیں بلکہ کوشش کریں کہ حکومت ہند جلد سے جلد اردو کو دلی کی علاقائی زبان بنانے میں ہمارا ساتھ دے اور اس کے حق کو تسلیم کرے۔ حیدرآباد میں اگر کچھ سہولتیں دی گئی ہیں یا آندھرا پردیش میں اردو کو کچھ حقوق ملے تو یہ اس لیے ہوا کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں جو اردو کی حق تلفی کی گئی ہے اس کا کچھ کفارہ ہو سکے۔ میں تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اردو ہی میں نے سیکھی اور اپنے تعلیمی زمانے میں بھی میں نے اسی پیاری زبان کو ہی سیکھا اور پڑھا۔ اس لیے اس کا حق منوانے کے لیے تیار رہوں گا۔

مخمور صاحب کی رباعیاں کامل قریشی نے پڑھ کر سنائیں۔ گلزار دہلوی، جگن ناتھ آزاد، مولانا انور صابری نے بھی اردو پر اپنی نظمیں سنائیں۔ اور یہ تاریخی اجلاس ساڑھے آٹھ بجے رات کو بخیر و خوبی ختم ہوا۔

سالانہ رپورٹ

صدر محترم اور ساتھیو! ہمارے لیے یہ جلسہ اس لیے اور بھی اہم ہے کہ انجمن ترقی اردو دلی نے ۱۹۷۵ء کے اوائل میں نئی تنظیم کی، اور یہاں انجمن کے کاموں کو وسیع کرنے کی غرض سے پانچ شاخیں قائم کی گئی ہیں۔ کیونکہ دلی کی نئی آبادیاں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اس لیے یہ بہت ضروری تھا کہ یہاں ہر علاقے میں ایک شاخ ہو۔ اسی طرح ہمیں کام کرنے کے لیے پورا تعاون حاصل ہو سکتا ہے۔ شاخیں قائم کرنے کے لیے کافی جدوجہد کی گئی۔ ایک سال تک مسلسل غور و فکر کے بعد اور کئی مہینے تک دوڑ دھوپ کرنے کے بعد فروری تک شاخیں قائم کرنے کا کام ختم ہوا اور جنرل کونسل بن گئی کیونکہ ہماری شاخوں سے ۲۳ نمائندے آئے اور پانچ نام حسب قواعد صدر انجمن ترقی اردو (ہند) کی جانب سے نامزد ہو کر آئے۔ اس لیے ہماری مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ دلی کی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھتے ہوئے تمام حلقوں کی نمائندگی ہو سکے اس لیے آٹھ اصحاب کا اور اضافہ جنرل کونسل میں کیا جائے۔ اس طرح جنرل کونسل کے ممبروں کی تعداد ۳۶ ہو گئی۔

شاخوں کے قائم کرنے کے لیے مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جمنا پار کا علاقہ چونکہ ایک بڑا علاقہ ہونے کے سبب دریائے جمنا سے منقسم بھی ہے ایک مرکز کے تحت کام نہ کر سکے گا۔ اس لیے جمنا پار کے علاقوں کو جن میں شاہدرہ، گاندھی نگر اور دوسری بڑی بڑی نو آبادیاں شامل ہیں ایک علاقہ قرار دیا جائے، اور جمنا کے اس طرف کے حصوں کو جس میں جامعہ نگر، لاجپت نگر، سندر نگر، ویسٹ نظام الدین، چراغ دہلی، کالکا، بھوگل وغیرہ شامل ہیں نظام الدین بستی کے ساتھ ملا کر ایک علاقہ بنا دیا جائے۔ ایک رخ کی ساری آبادیاں اس طرح ایک حلقے میں شامل کر دی گئی ہیں تاکہ تنظیمی اور انتظامی اعتبار سے کوئی مشکل نہ ہو۔

نئی دلی کے باقی ماندہ علاقے کو قرول باغ کے ساتھ ملا کر تیسری شاخ قائم کی گئی۔ نئی دلی کے تمام علاقے کے لوگ زیادہ تر سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں ملازم ہیں اس لیے دور دراز کے رہنے والے بھی ان دفاتر میں روزانہ مل سکتے ہیں۔ اس لیے کچھ ضروری ترمیم کے بعد ہماری مجلس عاملہ نے

مرکزی انجمن کے قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے پانچ علاقوں میں شاخیں قائم کردیں۔ شاخوں کے متعلق تفصیلی رپورٹ دلی کے اردو اخباروں میں اور مرکزی انجمن کے اخبار ہماری زبان کے یکم اپریل کے پرچے میں چھپ چکی ہے اس لیے اس کے متعلق اور وضاحت کرکے میں آپ کا وقت خراب کرنا نہیں چاہتی صرف اتنا عرض کروں گی کہ اب شاخیں بن چکی ہیں اردو کام کرنے والوں کے لیے میدان ہموار ہوسکتا ہے یقین ہے اب اپنی پانچوں شاخوں کے تعاون سے ہم اپنے کاموں کی رفتار کو اور تیز کرسکیں گے۔ ہمارے پرانے ممبروں کو چاہیے کہ اپنے حلقے کی شاخ کے ممبر بنیں اور اس طرح اب بھی ہم سے تعاون فرمائیں جیسا کہ پہلے کرتے رہے ہیں۔

انجمن ترقی اردو دلی کے سامنے اب سب سے اہم مسئلہ اردو کو دلی کی علاقائی زبان مرکزی حکومت سے منوانے کا ہے۔ اس کے لیے ہم برابر ۱۹۵۸ء سے جب دلی کے چیف منسٹر سردار گورمکھ نہال سنگھ نے اعلان کیا تھا ۱۹۵۲ء سے ہندی یہاں کے دفتر اور کاروبار کی زبان ہوگی، کوشش کررہے ہیں کہ اردو کی اس حیثیت کو باقی رکھا جائے جیسی وہ ۱۹۵۸ء تک رہی، جس طرح بنگال میں بنگالی اور آسام میں آسامی، مدراس میں مدراسی ہندی کے ساتھ علاقائی زبان کی حیثیت اپنے اپنے صوبوں میں رکھتی ہیں۔ اس طرح دلی کی علاقائی زبان اردو ہے اور اس کو اس کا علاقہ ملنا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہم نے جو کچھ کیا اس کی روداد لمبی ہے اور ہر سالانہ اجلاس میں برابر میں اپنی رپورٹ میں ہر سال کی کارروائی بتاتی رہی ہوں۔ ان چھ سالوں میں چیف منسٹر دلی سے لے کر میئر کارپوریشن تک اور مرکزی وزیر داخلہ سے لے کر وزیر اعظم تک ہمارا وفد پہنچا۔ ہم سے وعدے بھی کیے گئے اور ہر طرح تعاون کا یقین بھی دلایا گیا لیکن صورت حالات تاحال امید افزا نہیں۔ اب پھر ہماری مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک عرضداشت وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کو پیش کی جائے اور جلد از جلد اس سلسلے میں ہمارا وفد وزیر داخلہ اور وزیر اعظم سے مل کر گفتگو کرے۔ یہ عرضداشت ابھی آپ کے سامنے پیش کی جائے گی۔ ہم حکومت ہند سے درخواست کریں گے کہ دلی اردو کا علاقہ ہے اس کی علاقائی حیثیت کو بحال کیا جائے لیکن پہلے بھی میں نے کئی بار کہا ہے اور پھر کہتی ہوں کہ اردو کو دلی میں باقی رکھنے کے لیے صرف انجمن ترقی اردو کی کوشش کارگر نہ ہوگی جب تک کہ خود اردو والے اس کو محسوس نہ کریں کہ ان کی زبان کو اس جمہوری دور میں ان سے چھینا جارہا ہے، اور اردو کو زندہ دفن کرنے کی تیاری ہے۔ یہاں ہمیں خوش فہم حضرات محض مشاعرے اور قوالیاں سن کر ان کی مقبولیت دیکھ کر مگن ہیں لیکن دلی اسکولوں میں اردو کا کوئی معقول انتظام نہیں، ہماری نئی نسل اردو سے بے بہرہ ہوتی جارہی ہے، لیکن ہمیں اس کا بالکل خیال نہیں ہوتا۔ چاہیے کہ والدین اپنے بچوں کے لیے مادری زبان پڑھانے کا خود بندوبست کریں۔ اور ہر حلقے کے بااثر لوگ اپنے علاقے میں اردو پڑھانے کا انتظام کریں۔ حکومت کو اس طرف توجہ دلائیں محکمۂ تعلیم کو شکایت بھیجیں ہم سے کہیں لیکن اس طرف افسوس ہے کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اب ہماری ہر شاخ بطور خود اپنے حلقے کے اسکولوں کا جائزہ لے اور جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کے لیے اسکولوں میں اردو پڑھانے کا انتظام کرائے۔ یہی کام دراصل اردو کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ محض ادبی نشستوں اور مشاعروں سے اردو اور زیادہ دن باقی نہیں رہ سکے گی۔

ریڈیو کے متعلق قرار داد

یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو کے اردو پروگراموں میں اصلاح کی کافی گنجائش ہے، اور انھیں ضروری توجہ دے کر زیادہ مقبول اور ہمہ گیر بنایا جاسکتا ہے۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو کے اردو پروگراموں میں ادیبوں اور شاعروں کو پروگرام دیتے وقت ان کی شاعرانہ اور ادیبانہ حیثیت کو معیار بنایا جائے۔

یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ جلد اردو پروگراموں کے سلسلے میں ایک مشاورتی کمیٹی بنائی جائے جس میں انجمن ترقی اردو ہند اور انجمن ترقی اردو دلی کا ایک ایک نمائندہ بھی شامل ہو اور یہ کمیٹی اردو پروگراموں کے سلسلے میں ڈائرکٹر جنرل کو مشورے دے۔

آل انڈیا ریڈیو میں اردو کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ موجود ہے جو بند پڑا ہے۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ ان کتابوں کو لائبریری کی صورت میں رکھا جائے تاکہ نشریات کے لیے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

اس بات کے پیش نظر کہ دوسری ریاستوں کی طرح دلی اسٹیشن سے اردو پروگراموں کے لیے زیادہ وقت نہیں دیا جاتا، یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ اردو مجلس کا وقت پندرہ منٹ بڑھا دیا جائے تاکہ دلی کے شاعروں اور ادیبوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوسکے۔

اور اس پروگرام کو کشمیر یونٹ سے علیحدہ کردیا جائے نیز اس پروگرام میں نشر شدہ پروگراموں اور فلمی غزلوں کے بجائے نئے پروگراموں کو نشر کرنے کا انتظام کیا جائے۔

یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ ان امور کی ترتیب کے لیے کسی ممتاز اردو ادیب کی خدمات حاصل کی جائیں۔ (مجوزہ مفتی عتیق الرحمن)

مادری زبان میں تعلیم

انجمن ترقی اردو ریاستی شاخ دلی کی یہ سالانہ کانفرنس دلی ایڈمنسٹریشن سے مطالبہ کرتی ہے کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہو، مڈل اسکول سے ہائر سکنڈری اسکول کے اختتام تک ان کی تعلیم اردو زبان کے ذریعے ہو اور ہندی اور انگریزی زبانیں لازمی طور سکھائی جائیں۔

نیز جن بچوں کی مادری زبان اردو نہیں ہے ان کے لیے سہ لسانی فارمولے کے مطابق تیسری زبان کی حیثیت سے اردو کی تعلیم کا انتظام کردیا جائے تاکہ جو بچے دوسری علاقائی زبانوں کی طرح اردو میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے اردو زبان کے انتخاب کا موقع ہو۔ تجویز: عبداللطیف اعظمی
تائید: ڈاکٹر سعید انصاری صاحب

غالب یادگار کمیٹی

مجوزہ: حمید سلطان۔ تائید: ڈاکٹر محمد حسن

مرکزی انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے غالب کے صد سالہ جشن سالگرہ کی تقریبات منعقد کرنے کے سلسلے میں ایک غالب سینٹنری کمیٹی ۳ دسمبر ۱۹۶۱ء کو قائم کی گئی تھی۔ یہ اجلاس اس کمیٹی کے قیام کا خیر مقدم کرتا ہے۔

دلی کے ساتھ غالب کا جو تعلق ہے اس کے پیش نظر یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ دلی میں صد سالہ جشن عوامی طور پر منایا جائے اور دلی کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی جائے جو مرکزی کمیٹی کے تعاون اور مشوروں پر عمل کرتے ہوئے راجدھانی میں غالب کے شایان شان تقریبات جشن کا انعقاد عمل میں لائے۔

ساہتیہ اکیڈمی

انجمن ترقی اردو دلی کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ ساہتیہ اکیڈمی کے کام کا دائرہ موجودہ صورت میں محدود ہے دیسی ریاستوں کے ختم ہو جانے کے بعد شعرا اور ادبا کو جو امداد ملا کرتی تھی وہ بند ہو گئی ہے اس لیے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت ہند ساہتیہ اکیڈمی کے دائرہ کار کو وسیع کرے تاکہ اہل علم کی قدر افزائی ہو سکے۔

وہ شاعر اور ادیب جو اپنی شاعرانہ اور ادیبانہ خدمات کے لیے ممتاز ہیں اور جنھوں نے قومی کاموں کے سلسلے میں کام کیا ہے، ساہتیہ اکیڈمی ان کی خدمات کو سراہے اور بہترین طریقہ پر ان کی امداد کرے تاکہ وہ ذاتی ضروریات سے بےفکر ہو کر ادبی مشاغل کو جاری رکھ سکیں۔

مجوزہ: حسن نعیم

عبدالباری ساقی

۱۱ اپریل ۱۹۶۲ء کو پٹنہ میں جناب عبدالباری ساقی ہفتہ دس دن کی علالت میں مبتلا ہو کر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

مرحوم جنگ آزادی کے ایک نڈر اور حوصلہ مند سپاہی تھے مولانا مظہر الحق، ڈاکٹر راجندر پرشاد، سری کرشن سنہا اور انوگرہ نرائن سنہا جیسی موقر شخصیتوں اور جانباز سپاہیوں کے دوش بدوش انھوں نے "نان کو آپریشن موومنٹ" میں نہایت نمایاں حصہ لیا تھا۔

وہ ایک کہنہ مشق صحافی اور ایک اچھے شاعر تھے۔ ماہنامہ "ندیم" روزنامہ "غریب کی دنیا" اور روزنامہ "ستارہ" پٹنہ سے جاری کیا تھا۔ اردو میں "علم السیاسیات" اور "تصویر محبت" سیاست اور افسانوی ادب میں ان کی تصنیفات ہیں۔

پٹنہ موصوف کا آبائی وطن تھا۔ مگر ان کی زندگی کے اچھے خاصے دن لکھنؤ، بمبئی، نیپال اور حیدرآباد جیسے مشہور مقامات میں بھی گذرے ہیں۔ ریاست بہار سے ان کی قومی خدمات کے صلے میں انھیں وظیفہ بھی مل رہا تھا۔

سید فضل المتین

ماہنامہ قوم جے پور

میں ان دنوں موجودہ صوبۂ راجستھان سے شائع شدہ "اردو اخبارات اور رسائل" پر مواد جمع کر رہا ہوں۔ دوران مطالعہ مجھے ماہنامہ "قوم" جے پور سے متعلق خاصی معلومات فراہم ہوئی ہیں۔

مشہور صحافی ظفر علی خاں کے "دکن ریویو" بابت ماہ مئی ۱۹۰۸ء کے حصہ اشتہارات میں ماہنامہ "قوم" جے پور سے متعلق یہ عبارت ملتی ہے۔

قوم

"یہ رسالہ جنوری ۱۹۰۲ء سے ماہوار جے پور سے شائع ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں اس کی ظاہری حالت میں بہت کچھ اصلاح اور تغیر و تبدل ہوا۔ اب جنوری ۱۹۰۸ء سے ۲۲×۱۰ تقطیع کے عمدہ سیرامپوری کاغذ پر ۱۶ صفحہ ماہوار علاوہ ٹائیٹل شائع ہوتا ہے۔ تہذیب، اخلاق، اصلاح تمدن، ترقی قومی اس کے خاص مقاصد ہیں۔

چوں کہ اس رسالہ کے جاری کرنے سے کوئی تجارتی فائدہ اٹھانا منظور نہیں ہے اس لیے اس کی قیمت بہت ہی کم مقرر کی گئی ہے یعنی شہر جے پور میں رہنے والوں سے آٹھ آنہ سالانہ اور بیرون جات سے مع محصول ڈاک ۱۲ر سالانہ قیمت پیشگی لی جاتی ہے۔ نمونہ کا ایک پرچہ درخواست آنے پر مفت بھیجا جاتا ہے۔ چند خاص شرائط پر جو خط و کتابت سے طے ہوں گے اس مقررہ قیمت میں بھی تخفیف کی جاتی ہے۔

رسالہ قوم پر ملک کے اکثر اخبارات و رسائل نے عمدہ ریویو کیے ہیں۔ تمام درخواستیں اس پتہ پر ہوں۔ منیجر رسالہ قوم جے پور (راجپوتانہ)"

اور صاحب "تذکرہ شعرائے جے پور" تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہنامہ "قوم" ۱۹۰۸ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی رئیس الدین احمد تسلیم تھے۔ ۱۹۱۲ء تک جاری رہا۔ اگرچہ درمیان میں کئی بار بند ہوا اور پھر جاری کیا گیا۔ مضامین معیاری ہوتے تھے اور اشاعت بھی خاصی تھی۔ تاہم اتنی نہ تھی کہ اپنا کفیل خود ہو سکے۔ اس کے دو مکمل سیٹ میرے پاس محفوظ تھے۔ ایک کو میرے ایک عزیز نے ضائع کیا اور دوسرا ایک کرم فرما برائے مطالعہ لے گئے اور ضائع کر دیا۔"

(تذکرہ شعرائے جے پور۔ صفحات ۱۰۱-۱۰۲ مطبوعہ انجمن ترقی اردو)

خدا جانے کس بنا پر صاحب تذکرۂ شعرائے جے پور نے "قوم" کا سنہ اجرا ۱۹۰۸ء قرار دیا ہے جب کہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سنہ اجرا ۱۹۰۲ء ہے۔ آخر میں قارئین "ہماری زبان" سے گذارش ہے کہ اگر وہ ماہنامہ "قوم" جے پور اور دیگر راجستھان سے شائع ہونے والے "اردو اخبارات اور رسائل" سے متعلق کسی قسم کی معلومات رکھتے ہوں تو مجھے ذاتی طور پر یا بذریعہ "ہماری زبان" آگاہ فرمائیں۔

پتہ: سید فضل المتین، شرقی دروازہ، درگاہ شریف، اجمیر

اُردو مُعمّہ

۸ اپریل کی اشاعت میں ایک معمّہ بطور آزمائش دیا گیا تھا اور ناظرین سے اس بارے میں اُن کی رائے بھی معلوم کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں اب تک جو خطوط ملے ہیں وہ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

کرمی ۸ اپریل کے شمارہ ثانی میں "اردو معمّہ" تجربۃً آمیز مسرت کے ساتھ دیکھا۔ نظروں کے سامنے اسٹیٹسمین کے کراس ورڈ س آگئے۔ خیال اچھا ہے۔ میری تلقین اور تاکید ہے کہ یہ سلسلہ باقاعدہ شروع ہو جانا چاہیے۔ کتابوں کا انعام بھی اچھی ہمت افزائی ہے سلسلہ پہلی مئی سے شروع ہو جائے۔

آپ کا۔ اقبال کرشن

مکرمی۔ مورخہ ۸ اپریل کا اخبار نظر نواز ہوا۔ اردو معمّہ کے بارے میں آپ نے عام رائے طلب کی ہے۔ میری رائے میں کسی کے نقشِ قدم پر چلنا اچھا فعل نہیں۔ معمّہ کے لیے تو وہی رسالے بہتر ہیں جن کا کوئی خاص بنیادی مقصد نہیں۔ "ہماری زبان" ایک خاص مقصد لے کر ارتقا کی رہگذر پر گامزن ہے۔ "ہماری زبان" کے ناظرین کو معمّہ بازی میں الجھانا کسی بھی طرح بہتر نہیں ہوگا۔ میرے خیال میں تو جو صفحہ آپ معمّہ کے لیے وقف کریں وہ حصۂ نظم کے لیے وقف کردیں تو بہتر ہوگا۔ اس سے پہلے بھی نیاز مند نے آپ سے درخواست کی تھی اور آپ نے وہ خط ۸ جنوری ۱۹۷۶ء کے اخبار میں شایع بھی کیا تھا۔ ۱۵ جنوری ۱۹۷۶ء کے اخبار میں آپ نے رحمٰن جامی کا خط بھی جس کو عنوان (شعری حصے کی کمی کی شکایت) تھا شایع کیا تھا لیکن پھر بھی آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اب آپ سے پھر التماس ہے کہ حصۂ نظم کو بھی فروغ دیں تو بہتر ہے۔

نیاز مند قوی فائزی

جناب مکرم! تسلیم

۸ اپریل کے شمارے میں اردو معمّہ دیکھا۔ تجویز اچھی ہے مگر معمّہ اور اس کے اشارے خراب ہیں۔ بعض اشارے انتہائی مہمل اور دشوار ہیں۔ کچھ ہدایات بھی نہیں ہیں جن کا ہونا ضروری تھا آئندہ خیال رہے۔

معمّہ کی فیس ضرور ہونا چاہیے۔ خواہ وہ کم ہی ہو۔ تاکہ انجمن کی کتابیں مفت نہ جائیں اور بچت سے دوسری کتابیں شایع ہوں۔ انجمن کی مطبوعات کے علاوہ دوسری کتابیں بھی انعام میں بھیجنا چاہئیں۔

(سید علی۔ ٹونک راج)

مکرمی تسلیم

۸ اپریل کے اخبار میں اردو معمّہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ادبی اخبار میں معمّہ کا بھی گزر ہو سکتا ہے۔ البتہ تمنا ضرور تھی اور غیر متوقع طور پر یہ خوابِ حقیقت کی آنکھوں سے دیکھ کر واقعی بڑی مسرت ہوئی۔

میرا خیال ہے کہ مہینہ کی چار اشاعتوں میں صرف دو یا ایک ہی بار معمّہ جاری ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ معمّہ کا خاکہ زیادہ سے زیادہ سو خانوں اور پچیس اشاروں پر مشتمل ہونا چاہیے۔

کچھ نہ کچھ انعام دو اور تین غلطی پر بھی دیا جائے۔

معمّہ کے خاکے کے لیے "ہماری زبان" اخبار کا ہی ایک صفحہ وقف نہ ہو بلکہ اس کے لیے ایک الگ ورق ہو جس میں کوپن اور خاکہ دونوں کے لیے گنجایش ہو۔

این۔ اے خاور

اُردو ٹیلی پرنٹر

تجارتی پیمانہ پر اُردو کے ٹیلی پرنٹر اور ٹائپ رائٹر تیار کرنے کا ایک کارخانہ پاکستان میں اسی سال قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ کارخانہ ایک جرمن کمپنی قائم کرے گی۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کمپنی نے اردو ٹیلی پرنٹر کے لیے جو بورڈ تیار کیا ہے وہ معیاری ہے اور اس کے ذریعہ خبروں کی ترسیل اتنی ہی آسانی اور تیزی سے ہو سکے گی جتنی انگریزی ٹیلی پرنٹر کے ذریعہ ہوتی ہے۔

دیگر اداروں کی مطبوعات

۱۔	مزیدار کہانیاں	محمد حفیظ الدین	۱۵۶ روپے
۲۔	بچوں کے گیت	لطیف النساء بیگم	۱۵۶ "
۳۔	چند بڑے آدمی	مقبول احمد سیوہاروی	۱۵۶ "
۴۔	ہونہار (ڈراما)	شجاع احمد قائد	۱۵۶ "
۵۔	ابتدائی سماجی لسانیات	فاطمہ شجاعت	۳٫۰۰ "
۶۔	یادگارِ فرحت	مرتبہ غلام یزدانی	۹٫۰۰ "
۷۔	معاشیات	حبیب الرحمٰن	۳٫۰۰ "
۸۔	دیوانِ غالب	مرتبہ حالی پبلشنگ ہاؤس	۳٫۰۰ "
۹۔	اردو کلاسیکی شعرا پر تنقیدی مضامین	ایم حبیب خاں	حصہ اول تا سوم فی حصہ ۳٫۲۵

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پبلشر: عتیق صدیقی، پرنٹر: ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شایع کیا